حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات کی روشنی میں قرآن کریم میں موجود احکامات ونواہی کی تفصیل

(خطبہ جمعہ فرمودہ 19 جون 1998ء بمقام بیت الرحمن واشنگٹن امریکہ)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انورؒ نے درج ذیل آیت کریمہ کی تلاوت کی:

اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَ الۡاِحۡسَانِ وَ اِیۡتَآیِٔ ذِی الۡقُرۡبٰی وَ یَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَ الۡمُنۡکَرِ وَ الۡبَغۡیِ ۚ یَعِظُکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۹۱﴾ (النحل:91)

پھر فرمایا:

آج اس آیت کا انتخاب میں نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے بعض استنباط کی وجہ سے کیا ہے جن کی بنیاد زیادہ تر اسی آیت پر ہے۔ کچھ عرصہ سے لوگ یہ سوال بھیج رہے ہیں یعنی مسلسل نہیں مگر کبھی کبھی بھیج دیتے ہیں کہ قرآن کریم کے احکامات اور نواہی ہیں کتنے ؟ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے حوالے سے یہ بھی لکھتے ہیں کہ بعض جگہ دو تین کا ہی ذکر ہے بعض جگہ پانچ سو کا ذکر ہے بعض جگہ سات سو کا ذکر ہے بعض جگہ ہزار ہا کا ذکر ہے تو کل احکامات ہیں کتنے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے مختلف مواقع پر ان کی مختلف تعداد کیوں بیان فرمائی ہے؟ پس اس پہلو سے میں نے تمام اقتباسات کو اکٹھے کر کے آغاز سے جس میں ایک دو احکامات کا ذکر ہے، پھر آگے اس کو بڑھا کر ان احکامات کی بات کی ہے جو پانچ سو یا سات سو تک جا پہنچتے ہیں پھر آخر پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا وہ اقتباس رکھا ہے جس میں آپؑ فرماتے ہیں کہ ہزار ہا ہیں

اور ہزار ہا سے مراد محض ہزار ہا نہیں بلکہ ہزار ہا ایک محاورہ ہے جس کا مطلب ہے کہ اتنے ہیں کہ ان کا شمار ہی ممکن نہیں۔ کس کس پہلو سے، کیا کیا تعداد معین ہوتی ہے یہ ایک بہت اہم علمی مسئلہ ہے اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت کو نہ صرف علمی فائدہ ہوگا بلکہ روحانی فوائد بھی بہت پہنچیں گے۔ چنانچہ سب سے پہلا اقتباس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 550 سے ہے۔ عنوان ہے قرآن کے دو بڑے حکم ہیں۔ اب کہاں چار سو، پانچ سو، سات سو، ہزار ہا اور بات شروع ہوئی ہے دو بڑے حکم ہیں اور جب آپ مفہوم کو سمجھیں گے تو دل گواہی دے گا کہ ہاں دراصل تو قرآن انہی دو احکام کے گرد گھوم رہا ہے۔ فرمایا:

’’باہم بخل اور کینہ اور حسد اور بُغض اور بے مہری چھوڑ دو۔ (یہ ایک حکم ہے جس کے تابع پھر اور بہت سی باتیں آگئیں) باہم بخل اور کینہ اور حسد اور بُغض اور بے مہری چھوڑ دو اور ایک ہو جاؤ۔ قرآن شریف کے بڑے حکم دو ہی ہیں۔ ایک توحید و محبت و اطاعت باری عزّ اسمہ۔ دوسری ہمدردی اپنے بھائیوں اور اپنے بنی نوع کی۔‘‘

یہ مرکزی نقطہ ہے تمام قرآنی تعلیمات کا کہ اللہ کی توحید اور اس کی محبت اور اس کی اطاعت میں اپنے آپ سے کھوئے جاؤ اور کلیۃً اپنی گردن خدا کی محبت اور عشق اور اطاعت کے حضور خم کر دو اور اگر ایسا کرو گے تو دوسرا حکم طبعاً اسی سے نکلتا ہے جو خدا کا ہو جائے یہ ہو کیسے سکتا ہے کہ وہ خدا کے بندوں کا نہ ہو۔ پس دراصل تو ایک ہی حکم ہے جس کے تابع پھر یہ دوسرا حکم از خود ایک فطری تقاضہ کے طور پر پھوٹتا ہے اپنے بھائیوں اور اپنے بنی نوع انسان کی ہمدردی کرو۔ اس کے بعد فرمایا:

’’اور ان حکموں کو اس نے تین درجہ پر منقسم کیا ہے جیسا کہ استعدادیں بھی تین ہی قسم کی ہیں اور وہ آیت کریمہ یہ ہے اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی۔‘‘

(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ:550)

یہ وہی آیت ہے جس کی میں نے ابھی آپ کے سامنے تلاوت کی تھی۔ اب اس اجمال کی تفصیل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ میں سنئے۔ آپؑ فرماتے ہیں:

’’اب میں پہلے کلام کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ میں ابھی ذکر کر چکا ہوں کہ انسانی حالتوں کے سرچشمے تین ہیں یعنی نفسِ امّارہ، نفسِ لوّامہ (اور) نفسِ مطمئنّہ۔ اور طریق

اصلاح کے بھی تین ہیں۔ اوّل یہ کہ بے تمیز وحشیوں کو اس ادنیٰ خُلق پر قائم کیا جائے کہ وہ کھانے پینے اور شادی وغیرہ تمدّنی امور میں انسانیت کے طریقے پر چلیں۔ نہ ننگے پھریں اور نہ کتوں کی طرح مردار خوار ہوں اور نہ کوئی اور بے تمیزی ظاہر کریں۔ یہ طبعی حالتوں کی اصلاحوں میں سے ادنیٰ درجہ کی اصلاح ہے۔ یہ اس قسم کی اصلاح ہے کہ اگر مثلاً پورٹ بلیر کے جنگلی آدمیوں میں سے کسی آدمی کو انسانیت کے لوازم سکھلانا ہو۔''

پورٹ بلیر کسی زمانہ میں آدم خوروں کے لئے مشہور ہوا کرتی تھی تو اس لئے وہ پورٹ بلیئر کا حوالہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیا ہے۔ فرمایا:

''مثلاً پورٹ بلیئر کے جنگلی آدمیوں میں سے کسی آدمی کو انسانیت کے لوازم سکھلانا ہو تو پہلے ادنیٰ ادنیٰ اخلاق انسانیت اور طریق ادب کی ان کو تعلیم دی جائے۔ دوسرا طریق اصلاح کا یہ ہے کہ جب کوئی ظاہری آداب انسانیت کے حاصل کر لیوے تو اس کو بڑے بڑے اخلاق انسانیت کے سکھلائے جائیں اور انسانی قویٰ میں جو کچھ (بھی) بھرا پڑا ہے۔ ان سب کو محل اور موقع پر استعمال کرنے کی تعلیم دی جائے۔''

اب اس عبارت سے تین طریقے اصلاح کے بیان فرمائے ہیں لیکن معمولی تدبر کرنے والا انسان بھی غور کر سکتا ہے کہ ہر طریقہ کے تابع بے شمار اور طریقے ہیں۔ ایک بڑا حکم ہے اس بڑے حکم کے آگے شاخیں ہیں اور پھر شاخیں در شاخیں چلتی چلی جاتی ہیں۔ اب ایک وحشی کو مثلاً پورٹ بلیر کے وحشی کو جب آداب سکھانے ہوں گے تو اس میں ان لوگوں کی گندی عادات جو مدتوں سے چلی آرہی ہیں ان کا مطالعہ ضروری ہوگا۔ ان عادات کی اصلاح کے لئے جو موقع اور محل کے مطابق اصلاح ضروری ہے اس پر غور اور فکر کی ضرورت ہوگی۔ ان کو سکھانا ہوگا۔ تو بات تو ایک ہی حکم سے چلتی ہے اللہ کی اطاعت لیکن آگے پھر پھیلتی چلی جاتی ہے اور اسی طرح تعلیمات ایک سے پھر متعدد تعلیمات میں منتقل ہو جاتی ہیں گویا توحید کے تابع پھر خدا تعالیٰ کا بندوں سے جو سلوک ہے وہ بندوں کی نسبت سے پھیلتا چلا جاتا ہے۔

''تیسرا طریق اصلاح کا یہ ہے کہ جو لوگ اخلاق فاضلہ سے متصف ہو گئے ہیں ایسے خشک زاہدوں کو شربت محبت اور وصل کا مزا چکھایا جائے۔''

’’تیسرا طریق اصلاح کا یہ ہے کہ جو لوگ اخلاق فاضلہ سے متصف ہو گئے ہیں۔‘‘ اوّل تو اخلاق فاضلہ سے متصف کرنے کے لئے جیسے کہ میں نے بیان کیا ہے بہت لمبی محنت کی ضرورت ہے لیکن ایک دفعہ کوئی اخلاق فاضلہ سے متصف ہو جائے یعنی اس کا وصف بن جائے تو وہاں بات کو چھوڑنا فی الحقیقت سفر کا کچھ حصّہ طے کرنے والی بات ہے بالآخر یہ سفر اللہ تعالیٰ کی محبت پر منتج ہونا چاہئے اور اس کے سوا اس سفر کا کوئی مقصد نہیں ہے۔ فرمایا جب وہ متصف ہو جائے پھر زاہدوں کو شربت محبت اور وصل کا مزا چکھایا جائے۔ ان کو بتایا جائے کہ اللہ کی محبت اور اس کے وصل کا شربت پینے میں کتنا مزا ہے۔

’’یہ تین اصلاحیں ہیں جو قرآن شریف نے بیان فرمائی ہیں۔ اور ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے وقت میں مبعوث ہوئے تھے جبکہ دنیا ہر ایک پہلو سے خراب اور تباہ ہو چکی تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم:42) یعنی جنگل بھی بگڑ گئے اور دریا بھی بگڑ گئے۔ یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جو اہل کتاب کہلاتے ہیں وہ بھی بگڑ گئے اور جو دوسرے لوگ ہیں جن کو الہام کا پانی نہیں ملا وہ بھی بگڑ گئے۔ پس قرآن شریف کا کام دراصل مردوں کو زندہ کرنا تھا جیسا کہ وہ فرماتا ہے اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (الحدید:18)۔‘‘

جان لو کہ اللہ ہی ہے جو زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد پھر زندہ کرتا ہے۔ اب یہاں ایک آیت ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہر ہونے سے پہلے ساری دنیا کی جتنی خرابیاں ہیں ان کا مضمون اسی میں آ گیا ایک بھی خرابی ایسی نہیں جو انسان کو لاحق ہو سکتی تھی، ایک بھی فسق و فجور کی راہ نہیں جسے انسان اختیار کر سکتا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن میں سے ہر ایک کی راہ نہ روک لی ہو۔ تو دیکھے ایک وحدت کے نیچے پھر کس طرح کثرت ملتی ہے۔ کام تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صرف ایک بیان فرمایا کہ فساد سے خشکی بھی بھر گئی اور سمندر بھی بھر گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان فسادات کو دور کر دیا۔ مگر وہ فسادات تھے کتنے؟ اس کا اگر کچھ اندازہ آپ نے کرنا ہو تو اِس زمانہ میں دنیا کا بالکل وہی نقشہ ہو چکا ہے۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ باقی دنیا کو چھوڑ دیں اپنے امریکہ کی خبر کریں۔ خود امریکہ میں اتنی بے حیائی ہے، اتنی بے راہ روی ہے کہ ایک زمانہ تو یہ تھا کہ امریکہ سے

لگتا تھا بے حیائیاں دس اور کو جاتی ہیں لیکن اب دوسرے ملکوں نے بھی اتنا مقابلہ کیا ہے بے حیائیوں میں کہ اب کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ بے حیائی یہاں زیادہ ہے یا باہر زیادہ ہے۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ کا یہ مطلب ہے یعنی اب یہ فرق نہیں رہا کہ کہاں سے برائی پھوٹی تھی۔ مذہب کہاں تھا اور لامذہبیت کہاں تھی۔ جب سب برائیاں ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر برابر ہو جائیں تو اس وقت یہ محاورہ صادق آتا ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ خشکی اور تری دونوں فساد سے بھر گئے۔ تو باہر کے ملکوں میں آپ میں سے ہر ایک کو جانے کا موقع ملے یا نہ ملے مجھے سفر کا موقع ملتا رہتا ہے۔ افریقہ بھی جاتا ہوں، امریکہ بھی اور یورپ کے ممالک ہیں یا مشرق بعید کے ممالک ان کا بھی سفر کرتا ہوں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ زمانہ جس کا نقشہ قرآن کریم نے کھینچا تھا وہ آج بعینہٖ اس دنیا پر پورا اتر رہا ہے۔ اب کوئی ان کو شمار کر کے دیکھے کہ برائیاں ہیں کتنی تو احکام کا اندازہ ہو جائے گا کتنے ہونے چاہئیں۔ ہزار ہا، لاکھوں برائیاں ہیں اور ان لاکھوں برائیوں کے مقابل پر ایک حکم ہے نہی، یہ برائی نہیں کرنی، یہ برائی بھی نہیں کرنی اور یہ بھی۔ اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى کے بعد وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ اس آیت کریمہ نے یہ جو تین بچنے کی باتیں بیان فرمائی ہیں یہ سارے اُن کے تابع ہیں اور اب کوئی حساب کرتا ہے تو کرتا پھرے۔ ناممکن ہے کہ ان برائیوں کو گن سکے جن برائیوں کا ایک آیت کے تین حصوں میں ذکر فرما دیا گیا۔

پس اسی سے اندازہ ہو جائے گا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جہاں ایک حکم، دو حکموں، تین حکموں کی باتیں کرتے ہیں تو آپ کے ذہن میں ایک پورا جہان ہے حکموں کا۔ مناہی کا بھی اور احکامات کا بھی۔ اور اس پہلو سے آپ کو میں بعض اور مثالیں دوں گا اس سے اندازہ ہوگا کہ حکموں کا تو کوئی شمار ہی نہیں رہتا۔ اس لئے وہ علماء جنہوں نے پانچ سو گنے یا سات سو گنے وہ کوتاہ نظر تھے، وہاں ٹھہر گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پانچ سو بھی گنے اور سات سو بھی گنے اور پھر آپؑ کی نظر ہر طرف پھیل گئی اور آپؑ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ پانچ سو، سات سو کی کیا بحث ہے یہ تو بے شمار چیزیں ہیں جن کا قرآن کریم میں ذکر مل رہا ہے، جن سے بچنا ضروری ہے یا جن پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سرزمین عرب کا حال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یوں بیان فرماتے ہیں:

’’اس زمانہ میں عرب کا حال نہایت درجہ کی وحشیانہ حالت تک پہنچا ہوا تھا۔ اور کوئی نظام انسانیت کا ان میں باقی نہیں رہا تھا اور تمام معاصی ان کی نظر میں فخر کی جگہ تھے۔‘‘

اور یہ وہ امر ہے جس کا آج بھی اطلاق ہو رہا ہے۔ بہت سے گناہ ایسے ہیں جن پر فخر کیا جا رہا ہے اور ٹیلی ویژن پہ وہ فخر کے طور پر دکھائے جاتے ہیں کہ ہم ان گناہوں میں اتنا ترقی کر چکے ہیں۔

’’اور تمام معاصی ان کی نظر میں فخر کی جگہ تھے۔ ایک ایک شخص صدہا بیویاں کر لیتا تھا۔‘‘

اب آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا اطلاق نہیں ہو رہا حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ جتنی جنسی بیماریوں کی تحقیق کرنے والے ماہرین ہیں وہ یہ بتاتے ہیں کہ امر واقعہ ہے عورتیں بھی صدہا مرد کرتی ہیں اور مرد بھی صدہا عورتیں کرتے ہیں صرف قانون کی نظر میں شادی شدہ نہیں ہوتے۔ تو عربوں کو تو اس بات کا کوئی جھگڑا نہیں تھا۔ ان کے ہاں شادی ہونا یا نہ ہونا برابر بات تھی لیکن جہاں ایک شادی کی اجازت ہے اور ایک شادی پر فخر ہے وہاں غیر قانونی شادیاں آپ سینکڑوں بھی کر لیں تو کوئی اعتراض کی بات نہیں، قانونی شادی نہیں ہونی چاہئے بس۔ صرف یہ اختلاف ہے۔ تو جب آپ سنتے ہیں ایک شخص صدہا بیویاں کر لیتا تھا تو یہ واقعۃً آج بھی اس بات پر عمل ہو رہا ہے۔ فرماتے ہیں:

’’حرام کا کھانا ان کے نزدیک ایک شکار تھا۔‘‘

اب حرام خوری تو اتنی عام ہو چکی ہے دنیا میں جیسے شکار کر لیا ویسے حرام خوری کر لی کوئی بھی فرق اور کوئی تمیز باقی نہیں رہی۔ اب یہ ایک فقرہ ایسا ہے جو اچانک دلوں میں ایک ہلچل پیدا کر دے گا مگر امر واقعہ یہ ہے کہ آج کل دنیا میں بعینہٖ یہ بات ہم ہوتی دیکھ رہے ہیں یہاں تک کہ اسلامی ممالک کہلانے والوں میں بھی یہ بدی مل رہی ہے اور ہمیشہ تو نہیں پکڑی جا سکتی مگر پکڑے جانے کے مواقع بھی اتنے ہیں کہ اخبارات ان کے ذکر سے منہ کالا کر لیتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

’’ماؤں کے ساتھ نکاح کرنا حلال سمجھتے تھے۔‘‘

اب نکاح کرنا تو حلال سمجھتے تھے مگر یہاں جو خبریں پاکستان کے اخباروں میں آتی رہتی ہیں ان سے پتا لگتا ہے کہ نکاح کرنا تو حرام ہی رہے گا مگر نکاح کے لوازمات سارے کر لیتے ہیں اور بہت ہی خوفناک حالتیں ہیں جن کے تفصیلی ذکر کی گنجائش نہیں ہے۔ یعنی میری طبیعت پہ ان کے ذکر سے ایسی کراہت آتی ہے کہ میں مجبور ہوں کہ اشارہ ہی آپ کے سامنے رکھ دوں کہ یہ بدیاں بھی عام ہو چکی ہیں۔ فرماتے ہیں:

’’اللہ تعالیٰ کو کہنا پڑا کہ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ ۔(النساء:24)‘‘

تمہاری مائیں تم پر حرام کی گئی ہیں۔اب اس فقرہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس زمانے کی ہر بدی کھول کر رکھ دی ہے۔کیا ضرورت تھی، کیوں خدا نے فرمایا حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ ؟ اگر ماؤں کو حلال نہیں سمجھا جاتا تھا تو اس حکم امتناعی کی ضرورت ہی کیا تھی۔

’’آدم خور بھی تھے۔دُنیا کا کوئی بھی گناہ نہیں جو نہیں کرتے تھے۔اکثر معاد کے منکر تھے۔‘‘

یعنی یہ کوئی تصور نہیں تھا کہ ہم جی اٹھیں گے اور ہم سے پوچھا جائے گا، ہم سے جواب طلبی کی جائے گی اور یہ حقیقت ہے کہ آج کی دنیا میں اکثر گناہوں کا انتشار اسی بنیادی وجہ سے ہے۔ بھاری اکثریت لوگوں کی وہ ہے جو سمجھتے ہیں ہم مر کے مٹی ہو جائیں گے اور پھر ہم سے کوئی نہیں پوچھے گا۔کچھ عرصہ پہلے ایک مجلس سوال و جواب میں بعض بڑے دانشور اور اُن میں بعض عیسائیت کے مناد بھی تھے وہ آئے ہوئے تھے، شروع میں تو انہوں نے اس بات سے تعجب کیا کہ وہ معاد کے قائل نہیں۔اگر یقین ہو کہ میں عدالت کے سامنے پیش کیا جاؤں گا تو عدالت کے خوف سے ہی بہت سے گناہ جھڑ جاتے ہیں لیکن گناہوں کی کثرت بتا رہی ہے کہ خدا کی عدالت کے سامنے پیش ہونے کا کوئی تصور موجود نہیں۔ لوگ عملاً یہی سمجھتے ہیں کہ مرے اور مٹی ہو گئے اور پھر کون جئے گا اس جواب طلبی کے لئے کہ تم کیا کیا کرتے تھے۔قرآن کریم نے اسی لئے اس مسئلہ کو بار بار اٹھایا ہے اور اس کا ایک طبعی نتیجہ یہ ہے۔

’’بہت سے ان میں سے خدا کے وجود کے بھی قائل نہ تھے۔‘‘

یہ دو باتیں ایسی ہیں اچھی طرح ان کو پلے باندھ لیں کہ کوئی قوم بھی خدا کی ہستی کی قائل نہیں رہ سکتی اگر وہ مرنے کے بعد جی اٹھنے اور سوال و جواب کی قائل نہ رہے۔ان دونوں عقائد کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ قوم یہ سمجھے کہ ہم مر کے مٹی ہو جائیں گے اور پھر خدا کی ہستی کے قائل ہوں۔ خدا ایک بے معنی اور بے حقیقت چیز ہو جاتا ہے اور اگر یقین ہو کہ ہم دوبارہ بھی اٹھائے جائیں گے اور جواب طلبی ہو گی تو لازماً ایک خدا کو تسلیم کرنا پڑتا ہے جو مالک ہے، جو خالق ہے، جو حساب کرنے والا ہے اور اس کے سامنے ہم سب حساب دار ہوں گے۔فرماتے ہیں:

’’ایسی قوموں کی اصلاح کے لئے ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہر مکّہ میں ظہور فرما ہوئے۔پس وہ تین قسم کی اصلاحیں جن کا ابھی ہم ذکر کر چکے ہیں ان کا درحقیقت یہی

زمانہ تھا۔ پس اسی وجہ سے قرآن شریف دنیا کی تمام ہدایتوں کی نسبت اکمل اور اتم ہونے کا دعویٰ کرتا ہے کیونکہ دنیا کی اور کتابوں کو ان تین قسم کی اصلاحوں کا موقعہ نہیں ملا۔“

اب یہ دیکھنے میں تو ایک دعویٰ ہے مگر اگر مذاہب کی تفصیل پر اور ان کے موجودہ حال پر نظر ڈالیں تو اس میں ایک ادنیٰ بھی شک نہیں رہ جاتا کہ پہلے مذاہب کو ان تینوں اصلاحوں کو بیک وقت کرنے کا موقع نہیں ملا۔ یہ وہ مضمون تھا جو اسلام کے وقت کے لئے اُٹھا رکھا گیا تھا اس کے لئے جس نبی کی ضرورت تھی وہ ہمارے سید و مولیٰ حضرت محمد مصطفی ﷺ ہیں۔ کسی اور نبی کو یہ توفیق مل نہیں سکتی تھی کہ یہ تینوں امور ہاتھ میں لے اور ان میں سے ہر امر کی ہر تفصیل میں جا کر برائیوں کی بیخ کنی کرے اور ان کے بدلے میں بھلائیوں کو ان کی جگہ جاگزیں کرے۔

”قرآن شریف کا یہ مقصد تھا کہ حیوانوں سے انسان بناوے اور انسان سے بااخلاق انسان بناوے اور بااخلاق انسان سے باخدا انسان بناوے۔ اسی واسطے ان تین امور پر قرآن شریف مشتمل ہے۔ (یہی تین امور قرآن کریم کا خلاصہ ہیں۔ فرماتے ہیں:) قرآنی تعلیم کا اصل منشاء اصلاحات ثلاثہ ہیں۔ اور طبعی حالتیں تعدیل سے اخلاق بن جاتی ہیں۔“

اب یہ جو نکتہ ہے یہ ”اسلامی اصول کی فلاسفی“ میں تفصیل سے بیان ہوا ہے اور اگرچہ اسلامی اصول کی فلاسفی کا سال ہم بڑے شدّ و مد سے منا چکے ہیں اور اُمید رکھتے ہیں کہ سب نے اسلامی اصول کی فلاسفی کا گہرے دل سے مطالعہ کیا ہوگا مگر اس کے باوجود جب بھی میں اپنی سوال و جواب کی مجالس میں خصوصاً بعض احمدیوں سے پوچھتا ہوں تو پتا چلتا ہے کہ اسلامی اصول کی فلاسفی کی تہ تک نہیں پہنچ سکے۔ یہ کتاب ہی بہت گہری ہے اور اس پر ٹھہر ٹھہر کر غور کی ضرورت ہے ورنہ اسلامی اصول کی فلاسفی جن معارف اور حقائق کو لپیٹے ہوئے ہے ان کی کنہ تک پہنچنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔ فرماتے ہیں:

”قبل اس کے (کہ) جو ہم اصلاحات ثلاثہ کا مفصل بیان کریں یہ ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ قرآن شریف میں کوئی ایسی تعلیم نہیں جو زبردستی ماننی پڑے۔“

اب یہ بھی ایک ایسا عجیب دعویٰ ہے جس کو لوگ سرسری نظر سے پڑھیں گے تو ان کو تعجب لگے گا۔ احکامات تو جتنے ہیں وہ فرائض ہیں۔ ”زبردستی ماننی پڑے“ سے کیا مراد ہے؟ یہ امر واقعہ ہے کہ

قرآن کریم کی جس تعلیم کو بھی آپ چاہیں اس کو ردّ کر سکتے ہیں اس پر عمل نہیں کر سکتے۔ عمل نہ کرنا چاہیں نہ کریں لیکن لازماً اس کا نقصان پہنچے گا۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ قرآن کریم کی کوئی چھوٹی سی تعلیم بھی آپ نظر انداز کر دیں اور کہیں مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے اور اس کے بغیر پھر آپ کو کوئی گہرا نقصان نہ پہنچ جائے۔ تو یہ مطلب ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک بھی تعلیم ایسی نہیں جو زبردستی ماننی پڑے۔ ایسی بات ہے جیسے آپ کو کوئی کہے کہ یہ دودھ نہ پیو یہ زہریلا ہے۔ اب اس میں زبردستی تو کوئی نہیں ہوگی۔ اگر وہ کہے اچھا پینا ہے تو پیو تمہاری مرضی ہے۔ اب آپ انکار کر دیں کہ میں بالکل نہیں مانوں گا میں ضرور پیوں گا اور جب پیئیں گے تو اس وقت سمجھ آئے گی کہ حکم نہ ماننے کے نتیجے میں کیسا نقصان پہنچا ہے۔ پس حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے جو تعلیمات ہمارے سامنے رکھی ہیں ان میں ایک بھی ایسی نہیں ہے جسے نظر انداز کیا جا سکے۔ وہ تعلیمات ساری انسانی زندگی کا خلاصہ ہیں۔ چھوٹے سے چھوٹے حکم پر بھی اگر عمل نہیں کریں گے تو اس کا نقصان اٹھائیں گے۔

اب یہ بات احمدیوں کے لئے سمجھنی اس لئے ضروری ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات کو اگر پوری طرح نہیں سمجھیں گے تو ان کو سمجھ نہیں آئے گی کہ اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں میں زور کیوں دے رہے ہیں۔ آگے جو میں عبارتیں پڑھ کے سناؤں گا اس میں مثلاً یہ ذکر ملتا ہے کہ کوئی ادنیٰ سے حکم کو بھی ٹالتا ہے وہ نجات کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لیتا ہے۔ تو اب سوچیں آپ میں کتنے ہیں یا میں اپنی ذات کو سوچوں کہ بارہا کتنی دفعہ معمولی معمولی بعض حکموں کو معمولی سمجھ کر کہ دیکھنے میں معمولی تھے ان کو نظر انداز کیا ہے۔ نجات کا دروازہ بند کرنے کا کیا مطلب ہے۔ مطلب یہ ہے ان احکامات سے تعلق رکھنے والی جو نجات ایک طبیعت کا حصّہ ہے اس نجات سے آپ ضرور محروم رہ جائیں گے۔ اگر کسی شخص پر آپ نے سختی کی ہے اور وہ سختی جائز نہیں تھی تو جو زبردستی کرنے والا ہے وہ کر بھی سکتا ہے مگر اس سختی کا نقصان ضرور اس کی ذات کو پہنچے گا، اس کے ضمیر کو پہنچے گا، اس کی شخصیت پہ ایک قسم کا زنگ آجائے گا جب تک وہ اس کی اصلاح نہ کر لے۔ تو یہ مراد نہیں ہے کہ اس شخص کی ہلاکت ناگزیر ہے۔ مراد یہ ہے کہ تم واپس ان احکامات کی طرف لوٹو جن کو تم نے نظر انداز کر دیا تھا اور اس پر غور کرو اور دیکھو کہ ان پر عمل نہ کرنے سے تمہیں کیا نقصان پہنچا ہے۔ وہ لوگ جو یہ منکسرانہ مزاج نہیں رکھتے وہ سمجھتے ہیں کوئی فرق نہیں پڑتا اُن کے متعلق لازماً حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان

صادق آتا ہے کہ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنی نجات کے دروازے بند کر لئے ہیں۔ پس کمزوروں کے لئے اس میں خوشخبری ہے اور طاقتوروں کے لئے بھی خوشخبری ہے۔ ہر حکم کے اندر کچھ حکمتیں ہیں ان حکمتوں کو سمجھنے کی کوشش کرو اور تکبر کی راہ سے کسی حکم کو نظر انداز نہ کرو۔ اگر کرو گے تو لازماً اس کا شدید نقصان پہنچے گا اور یہ نقصان بڑھتے بڑھتے جہنم کے کنارے تک پہنچا دیتا ہے۔ فرماتے ہیں:

”باقی تمام احکام ان اصلاحوں کے لئے بطور وسائل کے ہیں اور جس طرح بعض وقت ڈاکٹر کو بھی صحت کے پیدا کرنے کے لئے کبھی چیرنے کبھی مرہم لگانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایسا ہی قرآنی تعلیم نے بھی انسانی ہمدردی کے لئے ان لوازم کو اپنے اپنے محل پر استعمال کیا ہے اور اس کے تمام معارف یعنی گیان کی باتیں اور وصایا اور وسائل کا اصل مطلب یہ ہے کہ انسان کو ان کی طبعی حالتوں سے جو وحشیانہ رنگ اپنے اندر رکھتی ہیں اخلاقی حالتوں تک پہنچائے اور پھر اخلاقی حالتوں سے روحانیت کے ناپیدا کنار دریا تک پہنچائے۔“

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ: 327 تا 330)

اب یہ ساری عبارت ہی غور طلب ہے، ٹھہر ٹھہر کر فکر کے ساتھ پڑھنے والی ہے لیکن خلاصہ میں نے پہلے آپ کے سامنے عرض کر دیا ہے کہ کوئی ایک تعلیم بھی بیکار اور بے ضرورت نہیں ہے۔ اور ہر تعلیم اگلی تعلیم کے لئے تیار کرتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ اچانک آپ کو آخری صورت میں قرآن کریم کی اعلیٰ تعلیم پر عمل کرنا نصیب ہو جائے یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ مگر آپ کا سفر شروع ہو جائے تو ہر تعلیم جس پر آپ انکسار کے ساتھ عمل کریں گے وہ اگلی تعلیم کے لئے تیار کر دے گی۔ اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی مثال ایک پھوڑے سے دی ہے جس کی اصلاح ڈاکٹر کو کرنی ہے۔ اب ہر بیماری کا علاج بغیر تکلیف کے ممکن نہیں ہے۔ پھوڑے کی مثال دے کر بیان فرمایا کہ ڈاکٹر کو اس پہ چیر ڈالنا پڑتا ہے تا کہ اس کا گند، اس کا مواد پھوٹ کر باہر آ جائے۔ اب یہ تکلیف دہ امر ہے اس لئے جب اپنے متعلق تم کوئی اسلام کی اصلاحی کارروائی استعمال کرو تو یاد رکھنا کہ لازم نہیں کہ تمہیں ضرور اس کا مزا آئے۔ ابتداء میں تکلیف ہوگی اور تکلیف سے ڈر کر تم پیچھے بھی ہٹ سکتے ہو اگر پیچھے ہٹو گے تو وہی مواد، زہریلا مواد جو تمہارے اندر ہے وہ تمہارے لئے ہلاکت کا موجب بن جائے گا۔ اگر احکامات کی گہری حکمتوں پر نظر رکھو گے تو جان لو کہ ہر تکلیف اٹھانا تمہاری صحت کے

لئے ضروری ہے۔ جب تکلیف اٹھاؤ گے تو اس کے نتیجے میں پھر صحت بھی نصیب ہوگی اور اس طرح ایک ادنیٰ حالت سے دوسری نسبتاً اعلیٰ حالت کی طرف تم حرکت کرتے چلے جاؤ گے۔ آگے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان احکامات کو کس رنگ میں دیکھا ہے اس رنگ میں دیکھنے کے لئے ابھی ہمیں اور بہت سی ترقی کی ضرورت ہے ورنہ یہ عبارت پڑھ کر آپ تعجب کریں گے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کو کس رنگ میں دیکھ رہے ہیں۔ فرماتے ہیں:

”ہر ایک عمر اور ہر یک مرتبہ فہم اور مرتبہ فطرت اور مرتبہ سلوک اور مرتبہ انفراد اور اجتماع کے لحاظ سے ایک نورانی دعوت تمہاری کی ہے۔“

قرآن کریم نے اپنے احکامات اور مناہی میں تمہاری ایک روحانی دعوت کی ہے۔ اب جس کو دعوت میں اچھے اچھے کھانے، مزے مزے کے کھانے ملیں وہ کیوں ان پر ہاتھ نہیں ڈالے گا، کیوں ان سے پیٹ بھرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ مگر نظر تو آئے کہ یہ دعوت ہے۔ اگر دعوت کی بجائے وہ محض دسترخوان چنا ہو اور کھانے والا بیمار ہو تو ہر لقمہ جو اٹھائے گا وہ اس کے لئے مصیبت بن جائے گا۔ بیماری کے دنوں میں یہی ہوتا ہے۔ پچھلے دنوں مجھے تکلیف ہوئی تھی اور کھانے کا مزہ ہی اٹھ گیا۔ وہ نعمتیں جن کو لوگوں کے سامنے دسترخوان پر بچھا ہوا بچوں کے سامنے دیکھتا تھا اور میں حیرت سے دیکھتا تھا کتنے مزے سے کھا رہے ہیں مگر حکم اٹھ گیا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے وہ صحت نہ دی جس صحت سے سب کھانوں کے مزے متعلق ہیں تو کھانے بالکل بیکار اور بے معنی دکھائی دے رہے تھے۔ تو یہ فرق ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعوت دیکھنے میں اور آپ کے دعوت دیکھنے میں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب یہ روحانی دعوت دیکھتے ہیں تو بہت مزے کرتے ہیں کہ سُبْحَانَ اللّٰہ کیسے کیسے مزے مزے کے کھانے خدا نے ہمارے لئے تیار کئے ہیں اور ایک بیمار آدمی بیٹھا حیرت سے دیکھ رہا ہے کہ کیسے کھا رہے ہیں۔ مجھے تو ہر کھانے کے لئے ایک مصیبت کرنی پڑ رہی ہے، لقمہ گلے سے اترتا نہیں اور کس مزے مزے سے کھا رہے ہیں۔ تو یہ سارے حالات ایسے ہیں جن کو تفصیلی نظر سے دیکھیں تو بات سمجھ آتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک بھی عبارت ایسی نہیں جو گہری حکمتوں سے عاری ہو ایک نافہم آدمی کو شروع میں سمجھ نہیں آئے گی۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام

فرمارہے ہیں بڑی روحانی نعمتیں ہیں جو ہمارے سامنے سجائی گئی ہیں اور اکثر آدمی دیکھ کے حیران ہوتے ہیں کہ یہ کیا نعمتیں کھا رہے ہیں۔ ہر چیز سے تو بچنے کا حکم ہے، ہر مزے کی بات تو حرام کردی گئی ہے تو یہ کیسی دعوت ہوئی جس میں ہر مزے مزے کی بات حرام ہوگئی اور ہر بیہودہ چیز جس کو ہم بیہودہ سمجھ رہے ہیں اس کے متعلق ہے کہ بے شک کھاؤ۔ یہ فہم کا قصور ہے، یہ انسانی فطرت کے رجحانات کا قصور ہے۔ جب بیمار ہوں گے تو یہی کچھ ہوگا۔ اگر بیمار نہیں ہوں گے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ سنئے۔ فرماتے ہیں:

''سو تم اس دعوت کو شکر کے ساتھ قبول کرو اور جس قدر کھانے تمہارے لئے تیار کئے گئے ہیں وہ سارے کھاؤ۔''

اب بتائیں کون انسان ہے جو بیمار حالت میں ان کھانوں کو کھا سکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کتنی آسانی سے فرما رہے ہیں کچھ بھی بات نہیں تمہارے لئے تیار کئے گئے ہیں۔

''سارے کھاؤ اور سب سے فائدہ حاصل کرو۔ جو شخص ان سب حکموں میں سے ایک کو بھی ٹالتا ہے میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ عدالت کے دن مواخذہ کے لائق ہوگا۔''

اگر تم عمداً کسی حکم سے احتراز کرو گے اور منہ بناؤ گے اور اس کھانے کو اپنے نفس کے لئے، اپنی اصلاح کے لئے قبول نہیں کرو گے تو فرماتے ہیں، ''وہ عدالت کے دن مواخذہ کے لائق ہوگا''۔ اب یہ بھی نہیں فرمایا کہ عدالت کے دن ضرور اس کا مؤاخذہ ہوگا۔ یہ دو باتیں الگ الگ ہیں۔ ان کا فرق ہے۔ یہ کہنا ایک بات ہے کہ قیامت کے دن لازماً اس کا مواخذہ ہوگا اور یہ کہنا الگ بات ہے کہ وہ مواخذہ کے لائق ہوگا۔ آگے اللہ کی مرضی ہے۔ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ۔ (البقرۃ:285) لازم نہیں ہے کہ ہر قابل مواخذہ کو ضرور پکڑے مگر اپنی دانست میں تم خطرے کے نیچے آگئے۔ اگر آپ بے دھڑک سڑک پار کرتے ہیں اور کوئی موٹر پاس آ کے رک جائے آپ کو نہ کچلے تو اس میں آپ کی کوئی خوبی نہیں۔ مواخذہ کے لائق آپ ٹھہر گئے تھے۔ اگر وہ موٹر آپ کو کچل بھی دیتی ہے تو اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ پس مواخذہ کے لائق ٹھہرنا اور بات ہے اور مواخذہ ہونا اور بات ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عبارات بہت ہی باریک اور لطیف عبارات ہیں ان پہ کوئی منطقی اعتراض عائد نہیں ہوتا۔

''وہ عدالت کے دن مواخذہ کے لائق ہوگا۔ اگر نجات چاہتے ہو تو دین العجائز اختیار کرو اور مسکینی سے قرآن کریم کا جُوا اپنی گردنوں پر اٹھاؤ۔''

دین العجائز کس کو کہتے ہیں۔ بڑی بوڑھیاں جب ان کو کوئی نیکی کی بات کہی جائے تو بے چون و چرا وہ باتیں کر لیتی ہیں۔ کبھی وہ جھگڑا نہیں کرتیں کہ اس میں کیا حکمت تھی، کیوں ہم پر یہ بات فرض کی گئی ہے۔ سیدھی سادی پرانے زمانہ کی مائیں آپ نے گھروں میں دیکھی ہوں گی جو اکثر دیہاتی زندگی میں اب ایک قصۂ پارینہ بن گئی ہیں۔ آج کل تو بعض بوڑھیاں بھی بڑی چالاک ہوگئی ہیں اور وہ بہانے ڈھونڈتی ہیں اسلام سے بچنے کے لیکن پرانے زمانے میں ہم نے وہ عورتیں دیکھی ہوئی ہیں، سیدھی سادی سفید کپڑے پہنے ہوئے، سر کو چُنّی سے ڈھانپا ہوا، ان کو جو کہا بی بی آپ یہ کھالیں۔ اچھا یہی کھا لیتے ہیں۔ یہ کام کریں، اچھا یہی کام کر لیتے ہیں۔ ان کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ جو بھی احکامات نازل فرماتا ہے وہ ان کی بھلائی کے لئے ہیں۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: ''اگر نجات چاہتے ہو تو دین العجائز اختیار کرو اور مسکینی سے قرآن کریم کا جُوا اپنی گردنوں پر اٹھاؤ۔'' مسکینی کی حالت ہوگی تو پھر قرآن شریف کا اٹھانا آسان ہو جائے گا۔ اگر مسکینی کی حالت نہ ہوگی تو یہ جُوا جو ہے یہ بہت مشکل پیدا کر دے گا۔

''کہ شریر ہلاک ہوگا اور سرکش جہنم میں گرایا جائے گا۔ پر جو غریبی سے گردن جھکاتا ہے وہ موت سے بچ جائے گا۔''

(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد نمبر 3، صفحہ: 548)

اب حکموں کی تعداد ایک سے دو، دو سے تین، تین سے آگے بڑھتی جارہی ہے، پانچ سو تک پہنچی۔ اب فرماتے ہیں:

''سو تم ہوشیار رہو۔ اور خدا کی تعلیم اور قرآن کی ہدایت کے برخلاف ایک قدم بھی نہ اٹھاؤ۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو شخص قرآن کے سات سو حکم میں سے ایک چھوٹے سے حکم کو بھی ٹالتا ہے وہ نجات کا دروازہ اپنے ہاتھ سے اپنے پر بند کرتا ہے۔ حقیقی اور کامل نجات کی راہیں قرآن نے کھولیں اور باقی سب اس کے ظل تھے۔ سو تم قرآن کو تدبر سے پڑھو اور اس سے بہت ہی پیار کرو۔ ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو کیونکہ

جیسا کہ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا اَلْخَيْرُ كُلُّهُ فِي الْقُرْآنِ کہ تمام قسم کی بھلائیاں قرآن کریم میں ہیں۔ یہی بات سچ ہے۔ افسوس ان لوگوں پر جو کسی اور چیز کو اس پر مقدم رکھتے ہیں۔ تمہاری تمام فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن (مجید) میں ہے۔ کوئی بھی تمہاری ایسی دینی ضرورت نہیں جو قرآن میں نہیں پائی جاتی۔''

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ: 28، 29)

اب یہ جو پہلو ہے قرآن کریم سے محبت کا اس کے متعلق آج کل میں بہت زور دے رہا ہوں کہ خصوصاً بچوں کو قرآن کریم پڑھنا لکھنا سکھایا جائے اور اس کے معانی بھی ساتھ ساتھ سکھائے جائیں۔ اکثر لوگ جو ناظرہ پڑھا دیتے ہیں وہ کافی نہیں ہے۔ اگر ناظرہ قرآن کے ساتھ ساتھ آپ اس کے معانی بھی کچھ سکھاتے چلے جائیں تو قرآن کریم سے محبت ہونا ایک لازمی بات ہے۔ اب مجھے علم نہیں کہ آپ میں سے کتنے ہیں جو میری قرآن کریم کی کلاس کو غور سے سنتے ہیں یا سن سکتے ہیں یا ان تک پہنچتی بھی ہے کہ نہیں مگر اس کلاس میں جو آنے والے ہیں ان میں کم علم عورتیں بھی ہیں، بڑے بڑے صاحبِ علم مرد بھی ہیں لیکن جب قرآن کریم کو سمجھا کر پڑھایا جائے تو اس سے محبت ہونا ایک لازمی بات ہے، آدمی رک ہی نہیں سکتا محبت کئے بغیر۔ قرآن کریم پڑھانا اور خشکی یہ دو چیزیں اکٹھی ہو ہی نہیں سکتیں۔ چنانچہ میں اپنی کلاس کو سمجھاتا ہوں اور بسا اوقات دیکھتا ہوں کہ جب میں قرآن کریم سے فطرت کے راز ان کو سمجھاتا ہوں، قرآن کریم نے کن کن رازوں سے پردہ اٹھایا ہے، کیا کیا معرفت کی باتیں کی ہیں، میری نظر اٹھتی ہے تو میں اُن کو بھی روتے ہوئے دیکھتا ہوں اور میری اپنی آنکھیں بھی آنسو بہا رہی ہوتی ہیں۔ اب خشک تعلیم سے تو آنسو نہیں جاری ہوا کرتے۔ لازماً اللہ تعالیٰ کی محبت کے چشمے بہہ رہے ہیں قرآن کریم میں اور وہی چشمے ہیں جو سننے والوں کی آنکھوں سے اور سنانے والے کی آنکھوں سے جاری ہو جاتے ہیں۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب قرآن کریم کے متعلق اس کو نعمت بیان فرماتے ہیں تو ہرگز ایک ذرّہ بھی مبالغہ اس میں نہیں ہے۔ ایسی ایسی معرفت کی باتیں قرآن کریم میں بیان ہیں کہ ناممکن ہے کہ قرآن کریم پڑھیں اور اس سے محبت نہ ہو جائے اور اگر قرآن سے محبت ہو جائے تو زندگی کے سارے مسائل حل ہو جائیں گے جن لوگوں کو محبت ہوتی ہے ان کی ساری برائیاں دور ہو جاتی ہیں، ان کو ایک نئی زندگی نصیب ہوتی ہے۔

اور بکثرت لوگ مجھے لکھتے ہیں کہ اگر چہ ہماری اپنی تعلیم زیادہ نہیں تھی مگر قرآن کریم کی کلاس میں بیٹھنے کا موقع ملا اور ہم نے ایک نئی زندگی پالی ہے۔اب یہی کتاب ایک عام کتاب نہیں ہے جو اسے پڑھتے وقت مشکل ہو، جاگنا مشکل رہے اس کو تو پڑھنے کے ساتھ ساتھ ہی تمام خوابیدہ جذبات اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور قرآن کی تائید میں اور اس کی حکمتوں کی تائید میں فطرت کا لفظ لفظ بولتا ہے۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جو قرآن کی تعریفیں ہیں اگر آپ ان کو سمجھیں بھی نہیں تو حیرت سے دیکھیں گے اور آپ کی بوریت میں ذرا بھی فرق نہیں آئے گا۔آپ کہیں گے یہ کوئی عارف باللہ آدمی ہے اس کو مزا آرہا ہوگا مگر قرآن کریم کا مزا اٹھانے کے لئے جو بڑے بڑے مرتبہ اور مقام کی ضرورت ہے وہ ہمیں نصیب ہی نہیں حالانکہ کسی بڑے مرتبہ اور مقام کی ضرورت نہیں، دین العجائز کی ضرورت ہے۔عجز اور انکساری کے ساتھ قرآن کریم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی ضرورت ہے،اپنا سر جھکا دیں اور غور سے پڑھیں اور آیات کے تسلسل پر غور کریں تو حیران رہ جائیں گے کہ قرآن کریم کی آیات ایک دوسرے سے اس طرح منسلک ہیں کہ پہلے انسان کے وہم میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ کس طرح تعلیم مسلسل آگے بڑھ رہی ہے اور ایک بات اگلی بات سے منسلک ہوتی چلی جارہی ہے یہ ڈوریاں ہیں جو آپس میں بٹی جارہی ہیں۔اور اس کا ایک علاج میں آپ کے سامنے یہ رکھ رہا ہوں کہ اگر آپ کو MTA کے ذریعہ سننا ممکن نہیں تو غالباً یہاں امریکہ میں ان قرآن کریم کی کلاسز کی ویڈیو ریکارڈنگ ہو چکی ہوگی۔اگر ہو چکی ہے تو لازماً گھروں کو مہیا کرنی چاہئے۔یہ بھی کرتے ہیں اور کر سکتے ہیں کہ کسی ایک وقت میں ان ویڈیوز کو چلا دیا جائے مگر ہر ایک کے اوقات الگ الگ ہیں اور ضروری نہیں کہ ہر روز اس وقت وہ گھر ہی ہو سارا خاندان بھی کہیں سفر پر جا سکتا ہے۔اس لئے لازم ہے کہ ان کا ریکارڈ اپنے گھروں میں رکھیں اور ترتیب کے ساتھ آپ سب لوگ مل جل کر بیٹھیں اور سننا شروع کریں۔اگر دس سبق بھی آپ اس طرح پڑھ لیں گے تو پھر آپ کے لئے ان سبقوں سے الگ رہنا ممکن ہی نہیں رہے گا۔طلب کریں گے کہ کب ہم اگلا سبق شروع کریں مگر پڑھیں اکٹھے اور بچوں کو ساتھ شامل کر کے پڑھیں۔تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو قرآن کریم کے متعلق ’’نورانی دعوت‘‘ فرمایا اور مزے مزے کے کھانے بتائے وہ آج بھی مل سکتے ہیں،صرف پڑھنے کا طریقہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں جو قرآن کریم کی محبت ڈالی ہے اس دور میں میں سمجھتا ہوں

کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہدایات پر عمل کروانے میں یہ محبت ضروری تھی اور جب اس کلاس میں آپ قرآن کریم کو پڑھیں گے تو پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اصل مقام ظاہر ہوگا۔ کتنے عظیم الشان معلم تھے۔ آپؑ فرماتے ہیں آج کل دنیا کا تو یہ حال ہے کہ:

''قرآن شریف میں کئی ہزار حکم ہیں۔ (اب دیکھیں سات سو اور پانچ سو کی بات ختم ہوگئی۔ فرماتے ہیں:) کئی ہزار حکم ہیں ان کی پابندی نہیں کی جاتی۔ ادنیٰ ادنیٰ سی باتوں میں خلاف ورزی کر لی جاتی ہے۔ یہاں تک دیکھا جاتا ہے کہ بعض جھوٹ تو دکاندار بولتے ہیں اور بعض مصالحہ دار جھوٹ بولتے ہیں۔''

بعض جھوٹ تو دکاندار بولتے ہیں لیکن مصالحہ لگانا بھی ایک خاص کام ہے اور بعض دکاندار پھر مصالحے لگا لگا کے جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ نے اس کو جس کے ساتھ رکھا ہے۔ اب کوئی گندی چیز ہو، ناپاک چیز ہو اس کو جتنے مرضی مصالحے لگالیں وہ کھا تو نہیں سکتے آپ۔ اگر پتا ہو کہ گند ہے تو گند ہی رہے گا۔ مصالحے لگانے سے وہ گند صاف نہیں ہو جائے گا۔ یہ پرانے زمانے کے ہمارے حکیموں کا طریقہ تھا کہ کوئی دوائی جو انتہائی بدمزا ہو اس کے ساتھ گلقند ملا دیا کرتے تھے، میٹھا ڈال دیتے تھے اور وہ سمجھتے تھے کہ اب کوئی مزے لے لے کے کھائے گا، وہ اپنی جہالت کو دوسروں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ حالانکہ سیدھی بات یہ ہے کہ اگر وہ دوا تلخ ہے تو ایک دفعہ کھاؤ، پانی پیو، قصہ صاف کرو۔ وہ میٹھا ملا کے اس کو آدھے گھنٹے میں ختم کرنا یہ کون سی عقل کی بات ہے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب ایک لطیفہ سنایا کرتے تھے اور وہ اس موقع پر ہمیشہ مجھے یاد آجاتا ہے۔ میں کئی دفعہ سنا چکا ہوں لیکن پرانے بزرگوں کی پیاری پیاری باتیں یاد رکھنا اچھی بات ہے۔ بار بار جب دہرائی جائیں تو ان کے لئے دعا کی بھی تحریک ہوتی ہے۔ حضرت میاں بشیر احمدؓ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک میرے ساتھی تھے وہ کھانا الگ سا چھپا کے کھایا کرتے تھے حالانکہ بہت با اخلاق آدمی تھے۔ تو میں نے کہا دیکھوں تو سہی کیا بات ہے تو میں اچانک گیا تو ان کی چپڑی ہوئی روٹی تھی۔ میں اٹھا کے ایک لقمہ کھانے لگا تو کہا آہاں ہاں، سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں نے آپ کو یہ روٹی کھانے نہیں دینی۔ حضرت مرزا بشیر احمدؓ صاحب اتنے ہی زیادہ شرمندہ ہوتے جائیں اور اتنا ہی اصرار بڑھتا جائے کہ ایک لقمہ تو میں کھا لوں۔ وہ کہیں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور سارا کھانا ایک طرف کر دیا۔ آخر ان کو خیال

آیا کہ اتنا نیک، اتنا بزرگ، اتنا سخی انسان کوئی بات ہے جو مجھے یہ کھانا نہیں کھانے دے رہا۔ پوچھا کہ بتائیں کیا بات تھی۔ تو انہوں نے کہا کہ مجھے ڈاکٹر نے Cod-Liver Oil (مچھلی کا تیل) کھانے کا حکم دیا اور اتنا بدبودار ہے کہ میں وہ کھا ہی نہیں سکتا۔ تو میں نے یہ ترکیب سوچی کہ گھی کی بجائے روٹیاں اس سے چپڑ لوں اور روٹیاں چپڑ چپڑ کے ان کو گلے سے اتاروں۔ تو یہ بھی ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ یہ جھوٹ والے گندے لوگ گند کو نئے نئے طریقوں کے ساتھ کھاتے ہیں مگر گند تو گند ہی رہے گا وہ تو نہیں کبھی ہٹے گا۔ کہتے ہیں:

’’ہنسی کے طور پر لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ انسان صدیق نہیں کہلا سکتا جب تک جھوٹ کے تمام شعبوں سے پرہیز نہ کرے۔‘‘

(الحکم، جلد 7 نمبر 8 صفحہ: 5 مؤرخہ 28 فروری 1903ء)

اب اس کا آغاز ہزار ہا حکموں کی بات سے ہوا تھا۔ اب جھوٹ کے تمام شعبوں سے اگر آپ پرہیز کریں تو بتائیں کتنے شعبے بن جائیں گے۔ روزمرّہ کی انسانی زندگی میں بے شمار مواقع آتے ہیں جب انسان صاف گوئی اور سچائی سے کام نہیں لیتا بلکہ جھوٹ کی پناہیں ڈھونڈتا ہے اور اس میں سے ہر دفعہ، ہر موقع پر جھوٹ اپنی ذات میں ایک الگ گناہ بن جاتا ہے۔ جن حالات میں وہ بولا گیا، کن کے سامنے بولا گیا، کیا کیا مقصد تھا وغیرہ وغیرہ۔ تو ایک جھوٹ کے شعبے بھی اتنے ہیں جو شمار نہیں ہو سکتے اور اس کے علاوہ جب آپ قانون قدرت پر غور کریں اور زمین و آسمان میں جو قرآن کریم نے گہری حکمتوں کے راز بیان فرمائے ہیں تو ساری کائنات کا مطالعہ آپ پر اتنا ہی زیادہ شکر کو لازم کرے گا۔ بے انتہا چیزیں ملیں گی کہ جب ان پر غور کریں گے تو دل شکر سے بلیوں اچھلے گا۔ تو اسی لئے احکامات کو گننا چھوڑ دیں۔ ان کی گنائی ممکن ہی نہیں۔ جتنے اللہ کے احسان اتنے ہی زیادہ خدا تعالیٰ کے ہاں اوامر اور نواہی ملتے ہیں اور قرآن کریم میں یہ جو آتا ہے کہ اگر سمندر سیاہی ہو جاتے اور میرے کلمے لکھتے تو وہ سیاہی خشک ہو جاتی خواہ سات سمندر اور آجاتے مگر کلمات کو لکھ نہیں سکتے تھے۔ پس یہ احکام ہیں، کلمات الٰہی جن کی کوئی حد نہیں۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کلمات کو سمجھنے اور ان کو پڑھ کر اس کے ساتھ جو شکر وابستہ ہیں وہ شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین